www.pklibrary.net

ہمدوش

www.pklibrary.net

ہمدوش

سطحی نظر سے تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ مرکزی شفاخانے کے اُن لوگوں کو جن کی نگرانی میں بہت سے نااُمید و پُراُمید مریض رہتے ہیں۔ مساوات پر بہت یقین ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے کو بلا امتیاز مذہب وملت تیس تیس گرہ کے کھلے پائنچوں کا پاجامہ اور کھلے کھلے بازوؤں والی قمیض پہنا دیتے ہیں۔ جن سے ایک خاص قسم کی سوندھی سوندھی نامانوس سی بُو آتی ہے۔ قمیض گھٹنے سے بھی چھ گرہ اونچی ہوتی ہے۔ بعض وقت اتنی اونچی کہ آزار بند بھی دکھائی دینے لگتا ہے۔ مرکزی شفاخانے اور مرکزی زندان خانے کے مکینوں کی پوشش میں فرق ہی کیا ہے؟ یہی نا کہ شفاخانے کے مکینوں کی پوشش قدرے مٹیالی رنگت کی مگر اُجلی ہوتی ہے۔ لیکن زندان خانے کے بدنصیب بسنے والوں کی کثیف وسیاہ پوشاک کو شاید ہی کبھی دھوبی کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔

شفاخانے میں ان تیس تیس گرہ کے کھلے پائنچوں اور ڈھیلی ڈھالی قمیضوں میں ڈھکے ہوئے بدن بھی ایک ہی ساخت کے ہوتے ہیں جسمانی لحاظ سے کوئی قدرے فربہ یا کوئی بہت لاغر ہو تو ہو لیکن منہ پر ایک ہی

www.pklibrary.net

سی زردی چھائی ہوتی ہے۔ایک ہی خوف یا اندیشہ ہوتا ہے۔جو ہر ایک کے دل میں اضطراب پیدا کیا کرتا ہے ——

"کیا ہم موت کے اس غار پر سے زندہ سلامت گذر جائیں گے ؟"

—— اور یہی سوچ ان غریبوں پر راتوں کی نیند حرام کر دیتی ہے۔

سورج ڈوبنے کو ہے۔شفاخانے کے احاطے کی مرمت طلب دیوار پر مموٹے کی مادہ اپنے انڈوں کے خول بنانے کے لئے چونا کریدنے آتی ہے اور اسی وقت انہی تیس تیس گرہ کے کھلے پائنچوں اور ڈھیلی ڈھالی قمیضوں میں بے رنگ و روپ چہروں والے لوگ حکم امتناعی کے باوجود شفاخانے کے احاطے کی مرمت طلب دیوار پر تندرستی کا نظارہ کرنے آتے ہیں۔ اور گھنٹوں حسرت کے عالم میں اُس متحرک زندگی کا تماشا کرتے ہیں۔

شفاخانے کے سامنے ایک بساطی کی دوکان پر چند نوجوان لڑکیوں کا جمگھٹا ہے۔اُن کی رنگا رنگ ساڑھیوں کے پلے بے باکانہ طور پر سر سے اڑ رہے ہیں۔کوئی 'ہمانی' کی خریدار ہے اور کوئی 'زینت' کی 'اور کوئی 'کوٹی' کی ..... دوکان کے اوپر چھت پر پروفیسر کی بیوی چق کے پیچھے اپنے لبوں پر سے لپ سٹک کی اڑی ہوئی سرخی کو درست کرتی ہوئی دھندلی دھندلی سی دکھائی دیتی ہے۔

میرا ساتھی عظیم الدین کھیڑا مغلی —— کھیڑا مغل کا رہنے والا ——

www.pklibrary.net

ہے۔ مغلی پروفیسر کی حسین بیوی کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اپنے کارٹنکل بلکہ وجودٹنک کے احساس سے بے نیاز ہو کر کہتا ہے۔

"کیا اس کے لبوں پر سے سُرخی اڑ گئی تھی؟"

"دیکھے نہیں.... ابھی پروفیسر کے کمرے سے باہر آرہی ہے..... اور....."

"ہش ش... ہش"—— اور ہمارا دوسرا ساتھی اشچرج لال پھر ہمیں فنا کے عالم میں لے آتا ہے۔

سڑک پر ایک سبز اوپل کار پورے زور سے ہارن بجاتی ہوئی گذرتی ہے۔ اُس میں بیٹھے ہوئے دو بوڑھوں کی نگاہیں تانگہ میں جاتی ہوئی دلہن کی سرخ چوڑیوں میں پیوست ہیں۔ اور دلہن کی نگاہیں سڑک کے کنارے پر پڑے ہوئے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر جم رہی ہیں۔

چند ایک اوباش چھوکرے اپنے مخصوص بے پروایانہ انداز سے ٹپے گاتے ہوئے سینما کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ اور اُن سے کچھ ہٹ کر سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے ایک سادھو مہاتما ہیں۔ جن کا ایک ایک قدم شانتی کے تجسس میں اُٹھتا ہے۔ وہ شانتی اور سکون جو کہیں نہیں ملتا.....

شفاخانے کے پھاٹک پر دو خوانچہ والے گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں بیک ساعت دروازے کے عین بغل میں اپنا خوانچہ رکھنا چاہتے ہیں....

www.pklibrary.net

کمزور نے پیچھے ہٹ کر تنومند کو ایک پتھر مارا ہے . . . .

"ارے او بے صبر و قناعت لوگو! صحت کی اس تھوڑی سی خوشی سے جو تمہیں عاریتاً دی گئی ہے کیوں مستفیض نہیں ہوتے؟ ارے دیکھتے نہیں۔ ہم تمہارے بھائی کتنے حرماں نصیب ہیں؟"

"ہاں بھائی! ــــ یہ سب تندرستی کی باتیں ہیں۔" اشنجرج لال کہتا ہے۔

"شاید ہم بھی تندرست ہو کر ایسا ہی کریں"۔

پھر کھیڑا مغلی اُس قبرستان کی طرف جو شفا خانے کے قریب واقع ہے۔ دیکھ کر چونک اُٹھتا ہے اور کہتا ہے . . . . .

"کل ہمارے ہی کمرے میں . . . . ساتویں چارپائی . . . . اف! میرا سر گھوم رہا ہے۔ مجھے یوں دکھائی دیتا ہے۔ جیسے وہ قبرستان ہماری طرف آرہا ہے . . . ."

"ہش . . . ش ش . . ." میں اُسے خاموش ہو جانے کے لئے کہتا ہوں۔

"ایسی بات نہ کہو بھائی"۔

لیکن یہ مغلی کے بس کی بات نہیں۔ وہ زور سے چیختا ہے۔ کارنیکل کے ساتھ اُسے انفلوائینزا نے بھی آدبایا ہے۔ اس کے بالکل زرد، بے رونق چہرے پر سُرخ نوکدار رقیق لعاب سے بھری ہوئی ناک ایک عجیب کریہہ منظر پیدا کر رہی ہے۔

www.pklibrary.net

لیکن پھر بھی ہمیں تندرستی کی دلچسپ حماقتیں محو کر ہی لیتی ہیں۔ حتےٰ کہ پھر مغلی ایک خوفناک انداز سے چھینکتا ہے۔ اور بہت سے آبی، لعابی ذرات دھوپ کی کرنوں میں اڑنے لگتے ہیں۔ چھینکنے سے مغلی کی ریڑھ کی ہڈی پر زور پڑتا ہے۔ اور وہ درد کے ایک شدید احساس سے کارنیگل پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔ جوں جوں درد کم ہوتا ہے۔ تو اُس کی مڑی ہوئی آنکھیں اور ہمارے رُکے ہوئے سانس آہستہ آہستہ واپس آتے ہیں۔ کچھ دم لینے کے بعد مغلی کہتا ہے۔

"بھائی۔۔۔ کیا ہم ان چوڑے والوں، ان خوانچہ والوں۔۔۔ مزدوروں کے ہمدوش چل سکیں گے؟"

"تم جی میلا نہ کرو مغلی۔ میں۔۔۔ میرا خیال ہے۔ کہ تم بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔ اسٹیرج لال پہلے ہی رو لصحت ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کے شانہ بشانہ کبھی نہیں چل سکوں گا، دیکھتے نہیں میری ٹانگ کو؟ بالکل گل ہی تو گئی ہے۔۔۔ کاش! میں اُس گدا کے دوش بدوش چل سکوں مغلی۔۔۔ مجھے اِس بات کی پروا نہیں۔ چاہے اس کی طرح میری بھی ایک ٹانگ کاٹ لی جائے۔۔۔ میں فقط یہ چاہتا ہوں کہ صحت کی حالت میں اُس احاطہ کی دیوار کو پھاند سکوں۔۔۔"

——— اور یوں اُن تندرست انسانوں کے ہمدوش چلنے

www.pklibrary.net

کی ایک زبردست خواہش کو پالتے ہوئے ہم اپنے اپنے کمروں کا رخ کرتے ہیں۔ اور ممولے کی مادہ جو کہ مٹی کے ایک ڈھیر پر بیٹھی ہمارے چلے جانے کا بڑی ہی بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ پھر اُسی مرمت طلب دیوار پر اپنے انڈوں کے خول بنانے کے لئے چُونا کریدنے آتی ہے۔

× × × × × × × ×

جب پرندہ پرواز کے لئے پر تولتا ہے۔ اور اپنے پنجے کا پچھلا حصہ زمین پر سے اٹھا کر نشست و پرواز کی درمیانی حالت میں ہوتا ہے۔ اسے 'صورتِ ناہض' کہتے ہیں۔ بیمار کے لئے صورت ناہض بیٹھنا معیوب اور بدشگونی کی علامت گنا جاتا ہے۔ ہاں! جو اس دنیا میں سے ایڑیاں اٹھا کر فضائے عدم میں پرواز کرنا چاہے۔ وہ بیمار بلا خوف صورت ناہض بیٹھے۔

کھیڑا مغلی اسی طرح بیٹھا تھا۔ میں نے اُسے یوں بیٹھنے سے منع کیا۔ اور ہمیں دروازہ سے "گرٹی" آتے دکھائی دی۔

گرٹی ہماری نرس تھی۔ اس کا پورا نام مس گرٹروڈ بینسن ــــ (MISS GERTRUDE BENSON) تھا۔ مگر ہم میں سے چند ایک دیرینہ مریض اُس سے اتنے مانوس ہو گئے تھے۔ کہ اُسے اُس کے عیسائی نام سے بُلانے سے ذرہ بھر بھی تامل نہیں کرتے تھے۔ اور یہ چھوٹی سی رعایت گرٹی نے خود دے رکھی تھی۔ وہ مجھ پر عموماً اور کھیڑا مغلی پر خصوصاً

www.pklibrary.net

مہربان تھی۔ مغلی کی اُجڈ، گنوار و حرکتیں گرٹی کے لئے باعث تفریح تھیں سُرخ کمبل کو ایک طرف سرکاتے ہوئے وہ اکثر مغلی کے پاس بیٹھ جاتی۔ اور اس کی جھلمی تراش کے بالوں میں اپنی خوبصورت انگلیاں پھیرا کرتی۔ جتنا وہ مغلی کو پیار کرتی، اتنا ہی اُسے وہم ہو جاتا۔ کہ وہ سلامتی سے بعید ہے۔ وہ کہتا۔

"وہ محض میری دلجوئی کے لئے مجھ سے پیار کرتی ہے۔۔۔۔ مریض کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنا ان کے پیشے کی خصوصیت ہے، اور پھر گرٹی میں جذبۂ رحم بھی تو بہت ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ میرے دن بہت قریب ہیں۔ اور پھر اس چہرے پر یہ رُوکھا پھیکا تبسم بھی کبھی رقص نہ کریگا"۔

"گرٹی!۔۔۔۔ گرٹی۔۔۔۔" ہم دونوں نے پکارا۔

شفاخانے میں چند ایک مریض ایسے بھی تھے۔ جنہیں کھانا گھر سے منگوا لینے کی اجازت تھی۔ ہم ان خوش نصیبوں میں سے نہیں تھے ہمیں شفاخانے کی طرف سے بیماروں کی خاص خوراک ملتی تھی۔۔۔۔۔۔ وہ خوش نصیب جب کھانا کھا کر چینی کے برتن دور رکھ دیتے اور ان میں سالن کی زردی اور روغن کی چکناہٹ دکھائی دیتی۔ تو ہمارا دل ہمیں بغاوت کے لئے اُکسانا۔

گرٹی کے ہاتھ سے ہم نے کھانا چھینا۔ وہی روزمرہ کا کھانا۔ اگر بھوک

www.pklibrary.net

نہ ہوتی تو اس کھانے سے ہمیں رتی بھر بھی رغبت نہیں رہی تھی۔ بہت سے دودھ میں تھوڑا سا ساگو دانہ تیرتا ہوا یوں دکھائی دیتا۔ جیسے برسات کے پانی میں مینڈک کے سینکڑوں انڈے چھوٹے چھوٹے سیاہ داغوں کی صورت میں ایک جھلی میں لپٹے ہوئے تیرتے نظر آتے ہیں۔

ہم نے قحط زدہ لوگوں کے مخصوص انداز سے ایک ہی رکابی میں کھانا شروع کر دیا۔ اور گرٹی کے کہنے کی مطلق پروا نہ کی۔ مریضوں کی تیمارداری کے لئے آئے ہوئے لوگ ہمیں گھورنے لگے۔

"ایک سکھ اور مسلمان . . . ساتھ ساتھ نہیں، ایک ہی رکابی میں!"

—— وہ کیا جانیں۔ کہ شفا خانے کے احاطے کی چار دیواری سے باہر سب کچھ ہے۔ مگر یہاں کوئی ہندو ہے نہ مسلمان، سکھ نہ عیسائی، گوڑ برہمن اور نہ اچھوت . . . یہاں ایک ہی مذہب کے آدمی ہیں۔ جنہیں بیمار کہتے ہیں۔ اور جن کی نجات شفا ہے۔ جس کے حصول کیلئے وہ اپنی تمام خواہشات اور رہی سہی قوت صرف کر ڈالتے ہیں۔

اس دن شام کو ہم نے پھر تندرست انسانوں کی دلچسپ حماقتوں کا تماشا کیا۔ وہی ہنگامے، وہی بے صبری . . . . . سامنے ایک ڈبل فلائی راؤنڈ خیمہ کے نیچے چند ایک آدمی دعوت اڑا رہے تھے۔ ایک کونے میں چند بوتلیں کھلی پڑی تھیں۔ کبھی کبھی سوڈے کی 'بز'

www.pklibrary.net

کی آواز آتی۔۔۔۔ وہ لوگ ہنستے تھے، چلاتے تھے۔ کیلے اور سنگتروں کے چھلکے ایک دوسرے پر پھینک کر نشانہ بازی کی مشق کرتے تھے۔ اور اس دعوت کی تمام رونق قبرستان کے بے رونق پس منظر کی وجہ سے زیادہ بارونق دکھائی دے رہی تھی۔ بے شک! زندگی کی بہت سی خوشیاں موت کے پس منظر کی رہینِ منت ہیں۔ جس طرح اختر شب کی درخشندگی رات کی سیاہی اور آسمان کے نیلے پن کی۔

کھیڑا مغلی نے یک بیک صورت ناہض سے اٹھ کر ایک کانپتا ہوا پُرجوش ہاتھ میرے شانہ پر رکھا اور مشکوک انداز سے بولا۔

"بھائی۔۔۔ کیا ہم ان لوگوں کے ہمدوش ہو بھی سکیں گے؟"

میں کچھ دیر مبہوت کھڑا آسمان پر اڑتی ہوئی چمگادڑوں کو دیکھتا رہا۔ پھر میں نے مغلی سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔ مغلی، کیوں نہیں؟ لیکن تم اس طرح بیٹھا مت کرو۔"

پھر کچھ رُک رُک کر میں نے کہا۔

"کل میری ٹانگ کا اپریشن ہے۔۔۔۔ گرٹی نے مجھے بتایا تھا۔ شاید آج یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو۔ تم ان لوگوں کے دوش بدوش چل سکو گے۔۔۔۔ اشچرج بھی شفا پا جائے گا۔۔۔۔۔ لیکن میں۔۔۔۔"

www.pklibrary.net

اور ہم دونو چپ نمدار آنکھوں میں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر کھیڑا مغلی نے ایک خوفناک چھینک لی۔

دوسرے دن میری ٹانگ کاٹ لی گئی۔

پانچویں دن میری آنکھ کھلی۔ میں ہل جل نہیں سکتا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کھیڑا مغلی میری پائنتی پر بیٹھا زیرِ لب کچھ ورد کر رہا تھا۔ میری آنکھیں کھلتے ہوئے دیکھ کر وہ مسکرانے لگا۔ میں نے اپنے بدن میں کچھ طاقت محسوس کرتے ہوئے اُس سے لپٹنے کے لئے کانپتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ میں اپنی ٹانگ کے دُکھ جانے سے بلبلا اُٹھا۔ اور مغلی اپنے کارنیکل پر زور پڑنے سے!

× × × × × × × ×

مغلی کا کارنیکل اچھا ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں میں شفا پا کر ہسپتال سے چلا گیا۔ میری غیر حاضری میں میری رفیقِ زندگی فوت ہو چکی تھی۔ اب ایک شیشم کی، سخت سی دوہری لاٹھی میری رفیقِ زندگی بن گئی تھی۔ پہلی اور اس رفیقِ زندگی میں فرق صرف اتنا تھا۔ کہ وہ مجھے اپنی باتونی طبیعت سے نالاں رکھتی۔ اور یہ اپنی خاموشی سے نالاں تر۔

اُسی لاٹھی کو بغل میں دبائے میں آہستہ آہستہ کام پر چلا جاتا۔ مجھے

www.pklibrary.net

اپنی ٹانگ کے کاٹے جانے کا چنداں افسوس نہ تھا۔ میں اس بات پر خوش تھا کہ میں تندرست تو ہو گیا اور اپنی خواہش کے مطابق شفاخانے کے احاطے کی دیوار سے باہر۔

ایک دفعہ میں شفاخانے کے پاس سے گذرا تو میری روح تک لرز گئی۔ اس وقت میرے ساتھی اور بعد میں آئے ہوئے مریض حسرت بھری نگاہوں سے ہماری دلچسپ حماقتوں کو دیکھنے میں محو تھے ..... اور احاطے کی مرمت طلب دیوار پر تین مموے اپنی تین کاٹ کی دموں کو تھرتھرا رہے تھے۔ میرے خیال میں بڑا مموا چھوٹے مموؤں کی ماں تھی جو ہماری بیماری کے ایام میں اُسی دیوار پر اپنے انڈوں کے خول بنانے کے لئے چونا کریدنے آیا کرتی تھی۔

اُس وقت میرے سوا اُن مریضوں کی تکلیف کو کون جان سکتا تھا۔ میں نے اُن لوگوں کی مصیبت پر چند ایک آنسو بہائے ... مجھے سامنے بساطی کی دوکان پر چند نوجوان لڑکیوں کا جمگھٹا دکھائی دیا۔ اُن کی ساڑھیوں کے پلّے اُسی طرح بے باکانہ طور پر سر سے اڑ رہے تھے .... اور چھت پر چق کے پیچھے پروفیسر کی بیوی اپنی ساڑھی کی سلوٹوں کو درست کرتی ہوئی دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ایک مبہم سے احساس کے ساتھ بساطی کی دوکان کی طرف بڑھا

www.pklibrary.net

اور وہاں سے کچھ رنگدار، ریشمی فیتے اپنی لاٹھی کو سجانے کے لئے خریدے اور کچھ غیر مطمئن، کھویا کھویا اور لڑکھڑاتا ہوا واپس لوٹا۔

ایک دن میں شفاخانے کے اندر گیا۔ تو میں نے دیکھا۔ مغلی کا کارنکل بہت حد تک ٹھیک ہو چکا تھا۔ ہاں! اشچرج کی حالت نازک اور ناقابل بیان تھی۔۔۔۔ اسکے بعد مجھے اپنے ایک افسر کے ساتھ چند ہفتوں کے لئے باہر جانا پڑا۔

میرے دل میں کئی بار خیال آیا۔ کھیڑا مغلی مجھے کتنا کوستا ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی کہا کرتا تھا۔ کہ انسان خود سکھی ہو کر اپنے گذشتہ دکھ اور دوسروں کی تکالیف کو عمداً بھول جایا کرتا ہے۔ ہر چند یہ بات درست تھی۔ مگر چند ایک مجبوریوں کی وجہ سے میرے معاملے پر عائد نہیں ہوتی تھی۔

واپس آنے پر ایک فرصت کے دن میں شفاخانے گیا۔

گرٹی نے ایک روکھی پھیکی مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا۔ میں ڈر سے سہم گیا۔ اُس نے مجھے بتایا۔ کہ اشچرج لال دو دن ہوئے مکمل شفا پاکر اجمیر چلا گیا ہے۔ مگر گرٹی نے کھیڑا مغلی کی بابت کچھ نہ کہا۔

میں احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا جنرل وارڈ کی طرف گیا۔ برآمدے کے نیچے شفاخانے کے ملازم چند ایک عورتوں اور بچوں کو بلند آواز

www.pklibrary.net

سے رونے سے منع کر رہے تھے۔ اُن عورتوں میں سے ایک کھیڑا مغلی کی ضعیف العمر اور نیم مردہ ماں تھی۔ جو اپنے بیٹے کی دائمی مفارقت کے غم میں فلک شگاف چیخیں مار رہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر اُس کی بیوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بچے ۔ ۔ ۔ ۔

برآمدے کے ایک طرف مغلی موت کی میٹھی نیند سو رہا تھا۔ اُسے یوں دیکھ کر میری بغل میں سے لاٹھی گر پڑی ۔ ۔ ۔ میں رو بھی نہ سکا۔

لوگوں نے چپکے سے مغلی کی میّت کو اُٹھایا۔ اُسے کندھوں کے برابر کیا۔ اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے لے چلے!